اُمّید اور خوف

(زندگی پر اکسانے والے دو عظیم ترین داعئے)

جناب شمس نوید صاحب عثمانی

حیاتِ انسانی کے بارے میں اس شخص کا مطالعہ کس قدر سرسری تھا جس نے سب سے پہلے یہ کہا کہ "انسانی ترقیات کے اولین جنم داتا آگ اور پہیہ ہیں"

شاید اس شخص کے سامنے صرف زمین تھی، انسان نہیں:۔

پگھلی ہوئی دھاتوں کی کانیں پیئے ہوئے ـــــ غلّہ کے کھلیانوں اور برگ و بار سے لدی ہوئی زمین:۔

آسمان کو چھوتے ہوئے پہاڑوں اور پاتال میں غُرّاتے ہوئے سمندروں کی زمین!! ـــ لیکن وہ بونا انسان اس کی نظروں سے اوجھل ہی ہوگیا تھا جس کے جذبات و خیالات کے صرف ایک کونے میں یہ لمبی چوڑی دنیا محض ایک ذرّۂ بے مقدار کی طرح سمٹی پڑی ہے:۔

اس شخص کے پیشِ نظر انسانی دنیا کی کوئی شے تھی تو وہ محض اس کی "مشین" تھی اور بس۔ عناصر کو فولاد اور بھاپ کی گھن گرج سے سہما دینے والی مشین؟ ـــــ خشکی کے فاصلوں، سمندروں کی پہنائیوں اور خلا کی چوڑائیوں کو سکیڑ کر رکھ دینے والی بے پناہ طاقت، لیکن آگ اور لوہے کے بَل پر گرجتی مشینوں کے پس منظر میں وہ "آدمی" اس کے لئے کھال میں لپٹا ہوا ہڈّیوں اور بوٹیوں کا فقط ایک ڈھیر ہی تھا جو اس کرۂ زمین پر پائی جانیوالی سب سے زیادہ پُراسرار مگر خاموش مشین ہے جس کا صرف ایک تصوّر اپنی پہلی حسیت میں افق سے افق تک ہی نہیں اُفق کے اُس پار وہاں تک جا پہونچتا ہے جہاں تک دنیا کی کوئی مشین پہونچنے کا خواب بھی نہ دیکھ سکی؟ اور کبھی کبھی جس کے جذبات انگیز دل کی "دھک دھک" مادّے اور عناصر کی پوری کائنات کے شور غل کو دبا کر

رکھ دیتی ہے !

اور ——— یہ تمام فولادی مشینوں کی گھن گرج اس کی زندگی کے چند "خیالاتِ پریشاں" کے سوا اور کیا ہے ؟ وہ خیالات جن کی گود میں ان تمام کل پُرزوں کا جال سب سے پہلے پھیلایا گیا - آگ اور پہیہ کو ارتقاء کا جنم داتا قرار دینے والا ذہن اگر زمین کے دیو پیکر پھیلاؤ اور مشینوں کے فلک شگاف شور سے آگے نکل کر ——— "انسان" کی گہرائیوں میں اُتر کر ترقیات کی کہانی پر نظر ڈالتا تو وہ اس کہانی کو وہاں سے شروع کرتا جہاں "آگ" کی دریافت پر اکسانے والی اصل چنگاری انسانی وجود کی راکھ میں دبی ہوئی تھی اور جہاں پہیہ کی دُور رس ایجاد اس کے دل و دماغ کے نادیدہ ڈگر پر اندر ہی اندر چکرا رہی تھی - وہ یہاں تک پہونچتا تو اُس کو صاف دکھائی دیتا کہ ارتقائے حیات کی اصل جنم داتا نہ آگ ہے نہ پہیہ ——— بلکہ وہ دو عظیم ترین انسانی جذبات ہیں جن کا نام "امید اور خوف" ہے۔

زمین پر جب سے انسان ظاہر ہوا ہے اس وقت سے لیکر آج تک کسی نہ کسی اُمید یا خوف کے اشارے پر اُس کے ہاتھ پاؤں نے حرکت کی ہے - اس کے دماغ نے کچھ سوچا ہے، اس کے دل نے کچھ محسوس کیا ہے - زندگی کے کسی بھی عمل کا سینہ چیر کر دیکھا جائے، یا کسی بھی شاہکار کو کھول کر پڑھا جائے تو وہاں اس کے ٹھیک قلب میں کسی نہ کسی امید یا خوف کی برقی لہر جاری و ساری ملے گی، پوری دنیا کا انسانی ہنگامہ ان ہی دو جذبات کی نیرنگیوں سے اپنے معانی برقرار رکھے ہوئے ہے - فطرتِ انسانی میں چھپے ہوئے یہ جُڑواں جذبات نکال باہر کیجئے تو اچانک زندگی کی ساری کد و کاوش، ساری جد و جہد ایک مہمل شے ہو کر رہ جائے گی - ؟

اور ——— حیاتِ انسانی کے چاروں طرف ——— اندر اور باہر - کتنا ہمہ گیر ہے اُن کا دوگانہ پہرہ ؟ لاٹھی سے لیکر ایٹم بم تک اس کی بہترین جنگی ایجادات اسی "خوف" کے اسلحہ خانوں میں ڈھل کر نکلیں، جن کو امید کے کاندھوں پر رکھ رکھ کر استعمال کیا گیا - اس کی تمام تر طبی کیمیائی تحقیقات اسی خوف کی تجربہ گاہوں میں مشرمندۂ تکمیل ہوئیں جن کے نتائج کو امید کے کھلے بازاروں میں ہاتھوں ہاتھ بیچا اور خریدا گیا - اس کے تمام علوم ایک مسلسل سفر ہیں کسی ڈراؤنے اندھیارے سے کسی پُرسکون روشنی کی سمت میں - اس کے سارے فنونِ لطیفہ احساسِ لطیف کی کسی مکروہ چوٹ سے ڈر کر کسی نہ کسی "حسن" کی ایک تلاش و جستجو ہیں - زندگی کی ہر ایک سطح پر خوف اور اُمید، امید اور خوف دو پرچھائیوں کی طرح ——— دھوپ اور سائے کی طرح ہمارے وجود کے تعاقب

میں چلے آرہے ہیں، ایک دشمن اور ایک دوست مگر دشمن ایک وضعدار دشمن اور دوست ایک انتہائی وفادار دوست!

بچپن کے معصوم زمانے میں جب چاند ہماری دلچسپی، امید وآرزو کو اپنی ٹھنڈی روشنی کی طرف کھینچنا شروع کرتا ہے تو اندھیرے اپنے پردے میں ہزاروں وہمی بھوتوں کی فوج لئے ہوئے اس روشنی کی راہ میں حائل ہوجاتے ہیں۔ پھر سن بلوغ کے موڑ پر آکر جب یہ "روشنی" نئے رُوپ دھار لیتی ہے تو اندھیروں کے اوہام بھی نئی نئی ٹھوس شکلیں اختیار کرتے جاتے ہیں، صحت، توانائی، محبت، شہرت اور ان سب کی تہ میں امید ومسرت کے سیکڑوں خواب امید وآرزو کے افق پر بیشمار ستاروں کی طرح طلوع ہوتے ہیں، مگر بیماری، بھوک ناکامی ونامرادی، گمنامی ورسوائی اور ان سب کے پس منظر میں غم وحرماں کے ہزاروں "ڈر" سر اُٹھانے لگتے ہیں آخر بڑھاپے کی وہ منزل آجاتی ہے جہاں زندگی کے نت نئے تجربات کے جھرمٹ میں ہم یہ سوچنے کے قابل ہوتے ہیں کہ زندگی کے پاس جو کچھ تھا وہ ہم نے اس سے لے لیا اور حیات کے شب وروز جو کچھ سکھا سکتے تھے وہ سیکھ لیا گیا ـــــ تو ٹھیک اسی جگہ یہ پھولوں اور کانٹوں سے پٹی ہوئی زمین شق ہوتی ہے اور ہمیں اپنی قبروں کی اتھاہ گہرائیوں سے موت کا ٹھنڈا ٹھنڈا سخت ہاتھ اپنے حلقوم اور رگ جاں کی طرف آہستہ آہستہ۔ دھیرے دھیرے بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ جس نے زندگی کی اُمیدوں اور تمناؤں کا خزانہ دونوں ہاتھوں سے لوٹا تھا سر جھکا کر اچانک دیکھتا ہے کہ اس کے دونوں پاؤں قبر میں لٹک گئے ہیں! اپنی موت کا تصوّر اس کے پورے وجود میں خون کی جگہ خوف ودہشت کی برف سی کوٹ دیتا ہے لیکن جینے کی طلب اور آرزو اس کے وجود کے کسی نامعلوم گوشے سے امید کی حرارت پہونچانے لگتی ہے۔

خوف اور امید کے اس فیصلہ کن دوراہے پر نوع انسان دو مختلف قافلوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک قافلہ اس عقیدے کی طرف رُخ کرلیتا ہے کہ یہ موت اس کی دائمی موت ہے جس کے بعد کسی بھی نوجیون کا امکان نہیں، ظاہر ہے اپنے وجود کی یہ دائمی نفی زندگی کے ولولوں کو جینے جی شل کردینے کیلئے کافی ہے، اسلئے زندگی کا یہ زندگی سے مایوس قافلہ اپنی زندگی کو دائمی موت کے مہلک یقین سے جاں بر کرنے کیلئے ؏

"بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کا لذت پرستانہ نعرہ لگاتا ہوا زندگی کی رگوں سے لذت وگناہ کا آخری جرعہ تک کشید کرنے میں مصروف ہوجاتا ہے۔ مذہب واخلاق کی روایاتی دیواریں اس کے آڑے آنا چاہتی ہیں، اس کا

اپنا ضمیر چیخ اُٹھتا ہے ۔ مگر وہ کسی کی نہیں سُنتا ! ۔ وہ تو مجنونانہ جوش میں یہ کہتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے کہ " نہیں ! ۔ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ؟ ۔ وہ زندگی کی تلاش میں موت کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتا تو اس خوف سے بچنے کے لئے اس کو دنیا کی طرف پلٹنے دیا جائے ! وہ خود کو پا نہیں سکا تو ضروری ہے کہ خود کو کھو دینے کی کوشش کرے ۔ خود کو بھول جانے کیلئے زندگی کی نشیلی لذتوں سے اندھا دھند کیف اندوزی کے سوا اس کے لئے کوئی چارۂ کار نہیں "

مگر نوعِ انسانی کا دوسرا گروہ جو قبر کے دہانے پر کھڑا ہو کر اس قبر میں خود کو دبا دینے سے پہلے کچھ دیر کچھ سوچتا ہے اس کو محسوس ہوتا ہے کہ موت کی اس گہری خاموشی میں زندگی کہیں دُور سے اُس کو آواز پر آواز دیئے جا رہی ہے ! ـــ یہ آواز اس کو چاروں طرف کی دنیا سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے ـــــ وہ زمین جو خزاں کے کربناک درد سے دم توڑ چکی تھی نئی بہاروں اور نئی زندگی کا ہنگامہ لئے ہوئے پھر سے جی اُٹھتی ہے ۔ اور اس آواز کو نشر کرتی ہے کہ زندگی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے اور پھر ایک بار پلٹتی ہے ۔ گذری ہوئی کل کا مرحوم سورج سیاہ رات کا سینہ چیرتا ہوا ـــ اُفق سے جھانکتا ہوا " حیاتِ نو " کا یہی راز سمجھاتا ہے ۔ اور خود اس کی دھڑکنوں میں سوئی ہوئی بقاو دوام کی بھوک یقین دلاتی ہے کہ اس کائنات میں کوئی شے بے مقصد اور رائیگاں نہیں ۔ بقاو دوام کی بھوک موجود ہے تو اس کی غذا بھی یقیناً کہیں نہ کہیں موجود ہے ۔

وہ یہ سب آوازیں سنتا ہے اور اپنے دل سے کہتا ہے کہ " حیات و کائنات کا خالق ایک بار اس کو بغیر مانگے " زندگی " دے چکا ہے تو اگر اسی سے دوسری زندگی کی بھیک مانگی جائے تو کیا وہ بھکاری کا دل توڑ دیگا ؟ اور ..... اور یہ زندگی کتنی محفوظ ہوگی ! ۔ کتنی پرسکون اور کتنی عمیق جو " موت " کو بھی اپنے پیچھے چھوڑ آئی ہو ! ـــ "

ایک حیاتِ لافانی کا تصور اپنی جاں نواز رعنائیوں کے ساتھ پھیلتا بڑھتا جاتا ہے اور انسان کے چاروں طرف اس حسین ترین دنیا کا نورانی ہالہ کھینچ دیتا ہے جس کے لئے انسان کی لغت کا حسین ترین لفظ " جنّت " وضع ہوا ۔

لیکن یہاں بھی اُمید تنہا نہیں آتی ! ۔ خوف کا سایہ اس کا پیچھا کرتا ہوا یہاں بھی چلا آتا ہے ۔ اس گروہ کو یہ خطرۂ جانکاہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر گناہوں کی رُوسیاہی سے خفا ہو کر حیات و کائنات کے خالقِ یگانہ

نے نفرت سے منہ پھیر لیا تو .....؟

یکایک یہ زہرہ گداز خوف اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ اُبھرتا ہے اور اس کو محسوس ہوتا ہے کہ یہاں بھی اُمید کی جنّت پر خوف کے جہنّم کدے کا سایہ منڈلا رہا ہے۔!

یہ ہے امید و خوف کا وہ "جدلیاتی چکّر" جو پوری زندگی کو نرغے میں لئے ہوئے ہے!

زندگی کی تمام تر اُمیدوں کا نچوڑ اور تمنّاؤں کا ماحصل "زندگی" کی کھوج ہے اور تمام خوف کا مرکزی نقطہ موت اور ہلاکت کا سہم ہے۔

انسان اپنی بقاء کی اس "اُمّید" کو کس طرح خوفِ مرگ کی زنجیروں سے چھڑائے؟ ——

درحقیقت یہی مسئلہ انسان کی دنیا کے اندر "اُمّ المسائل" کا درجہ رکھتا ہے۔ پہلا اور آخری مسئلہ!۔

انسانیت کا بنیادی مسئلہ ——

زندگی کا وہ کارواں جو قبر کو حیاتِ انسانی کا آخری کنارا تصوّر کرتا ہے اور جس کو مادہ پرست گروہ کے نام سے یاد کیا جاسکتا ہے وہ اس مسئلہ کا یہ حل پیش کرتا ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی یہ اُمید ہی فتنہ کی جڑ ہے۔ اسی کو لغو اور بے بنیاد قرار دیدو۔ چھٹی مل جائے گی۔ نہ جنّت کی اُمید ہوگی نہ جہنّم کا ڈر!۔

—— رہی زندگی اور دوام کی فطری تڑپ تو "موت" پر فتح پانے کے لئے مادی وسائل اور سائنٹفک قوتوں کو نشو و نما دینے کی جدوجہد ٹھیک اسی طرح جاری رکھو جس طرح عناصر کے ٹکراؤ اور حادثوں کی مار کو قابو میں لانے کے لئے ابتک عام زندگی میں کی جاتی رہی ہے، جس طرح پہاڑوں کی رکاوٹوں کو ڈائنامیٹ کرنے اور سمندروں کے طوفانی غرور کو پاش پاش کر دینے میں آخرکار صدیوں کے بعد کامیابی ہو چکی ہے، جس طرح خشکی، تری اور خلاؤں کی ہولناک وسعتوں کو سکیڑ ڈالا گیا ہے اسی طرح ایک نہ ایک دن موت کے خطرے کو بھی زمین سے جلاوطن کر دینے میں کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ ہاں اس "دن" تک پہونچنے کا عبوری، درمیانی زمانہ خواہ ایک سال ہو یا ہزار ہا سال اس زمانے کو خوفِ مرگ سے یوں چھٹکارا دلاؤ کہ زمینی لذّتوں، آرائشوں، جاذبیتوں اور خود فراموشیوں کا "تاکستانی جال" بچھا دیا جائے —— زندگی کی یہ بیخودی موت کے خوف کو مفلوج اور ماؤف کر ڈالے گی"

نوعِ انسانی کا دوسرا گروہ جس کو مذہبی گروہ کہا جائے وہ مادہ پرستوں کی اس رائے پر شک و شبہ کی نظر ڈالتا ہے، اس حل سے اس کو صرف خود فریبی ہی نہیں موت اور لاشوں کی بُو آتی ہوئی لگتی ہے۔ شک و شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ مادہ پرست گروہ جس "بقاء دوام" کا دُور اُفتادہ وعدہ کر رہا ہے اس کو وفا کرنے کے آثار اس کے کردار میں یکسر غائب ہیں، ہاں "وعدہ خلافی" کی علامات واضح طور پر موجود ہیں۔ اس لئے اس مشورے سے اہلِ مذہب کو نفاق و فریب کاری کی بدبو آتی ہے۔ اہلِ مذہب سوچتے ہیں کہ مادہ پرست گروہ آدمی کی بقا کا سچ مچ درد رکھتا تو بقاء دوام کے ہزارہا سالہ تجربات پر ان کروڑوں لوگوں کو بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار نہ ہوتا جو اِن تجربات کی "تکمیل" سے پہلے موت کے گھاٹ اُترتے رہیں گے۔ یہ تو ان اَن گنت زندگیوں کو "آخری آنے والے ابدی انسان" کی دل خوش کُن لوری دیکر موت کی میٹھی نیند سلا دینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں دینا چاہتا!۔

اور کیا لوری دیکر سچ مچ "قربانی کے ان کروڑوں بکروں" — بیچارے انسانوں کو سکون عطا کیا جاسکتا ہے؟ "نہیں!" ضمیرِ انسانیت کی چیخ نکلتی ہے "نہیں؟ — یہ ہرگز ممکن نہیں کہ انسان کے سر پر موت کی تلوار لٹکتی رہے اور وہ پھُولوں کی نرم سے نرم سیج پر یا بقاء دوام کی تجربہ گاہوں کے سائے میں سکون کی نیند سوتا رہے۔ اگر اس قاتل کو زندگی کی اس آخری رات میں چین سے بیٹھنے یا سو جانے کا مشورہ دینا ظالمانہ ہے جبکہ یہ سنا دیا گیا ہو کہ اگلی صبح سورج کی پہلی کرن اس کو تختہ دار پر لٹکا ہوا دیکھے گی — تو اس انسان کو زمینی رنگ و بُو میں گم ہو جانے کا مشورہ کیسے دیا جا سکتا ہے جس کو یہ بھی یقین نہیں کہ اگلی صبح کی پہلی کرن بھی وہ دیکھ سکے گا کہ نہیں؟ جسے خبر نہیں کہ گھڑی کا اگلا سکنڈ بھی اس کی عمر میں شامل ہے یا عُمر کی گنتی سے باہر؟

بھلا انسان کے لئے کیسے ممکن ہے کہ دل کی یہ پھانس نکال ڈالے کہ جس زمین پر اس نے اپنا گھر تعمیر کیا ہے اسی زمین پر کہیں نہ کہیں اس کی "قبر" بھی طے شدہ ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن اور مناسب ہے کہ سائنس کے بقاء دوام کے لامحدود تجربوں کو عبوری دَور کی انسانی نسل اپنا خونِ حیات پیش کرے اور جان دیدے ——— دیتی چلی جائے جب تک ابدیت کا تجربہ شرمندۂ تکمیل ہو۔ یہ تو ایثار نہیں خودکشی ہوگی، بھوکوں کو کھلانا تو اب

اور کارِ خیر ہے لیکن اس حد تک نہیں کہ آدمی خود بھو کا مر جائے ! قربانی میں اخلاقی حسن ہے لیکن خودکشی سوائے جرم کے کچھ نہیں۔

درحقیقت مادہ پرستی نے یہ کہہ کر انسانیت کیساتھ پرلے سرے کا مجرمانہ مذاق کیاہے کہ ہزاروں سال کے اُس پار انسان کی آخری نسل یا کوئی "آخری انسان" نوعِ بشر سے ابدیت کے تجربوں پر جان نثاری کا تقاضہ کر رہاہے - ابدی زندگی کے تجربات پر کروڑوں انسانوں کی موت کا مطالبہ ! - نرا احمقانہ تخیّل ! خالص تخیل پرستانہ حماقت کا دھوکا !!

ساتھ ہی ساتھ اہلِ مذہب دیکھ رہے ہیں کہ مادہ پرست لوگ بقا و دوام کا جو وعدہ کر رہے ہیں اسکے ایفاء کے آثار یکسر مفقود ہیں ——— یہ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ابدیت کی ان تجربہ گاہوں اور سائنٹفک دارالعملوں کا رُخ زندگی کے کعبے کے بجائے موت و تخریب کے گورستانوں کی طرف کو ہے، ان تجربہ گاہوں نے زہر مفت تقسیم کیاہے آبِ حیات نہیں - زندگی کو مسمار کر دینے والے جتنے یقینی ہتھیار بنائے تعمیرِ حیات کی اتنی اکسیر دوائیں نہیں بنائیں ، اس نے زندگی کو بڑھانے کے کیمیاوی تجزئے ضرور کئے مگر جوں جوں یہ تجربات آگے بڑھے مادہ پرستی کی مختلف نحوستوں کی رَو میں انسانی عمر سَو کے ہندسے سے اُسی صفر کی طرف ہٹتی گئی ! اس کی صنعتی اور مشینی توانائیوں نے زمینی آسائشوں اور بہاروں کے انبار ضرور لگائے مگر اس جامِ نشاط سے جرعہ کش ہونے کی مہلت گھٹتی چلی گئی ! نام نہاد دَورِ ظلمت کا انسان سیکڑوں سال تک اپنی وحشت کا کھیل کھیل سکتا تھا - لیکن یہ نام نہاد مہذّب انسان بمشکل پچاس ساٹھ سال تک اپنی تہذیب کے جوہر دکھانے کے قابل ہے ! کامیابی کی سمت میں یہ بڑھتی ہوئی ، رواں دواں ناکامی کا تناسب کیا توقع ظاہر کرتاہے ؟ ——— زیادہ سے زیادہ رجائیت سے کام لیا جائے تو بمشکل یہی امید کی جا سکتی ہے کہ پوری نوعِ انسانی سائنس کے ابدی زندگی کے تجربوں پر بھینٹ چڑھ کر شاید زمین کے "آخری آدمی" کو ابدی عمر دلانے میں کامیاب ہو جائے !! - پوری دنیائے انسانیت کے اجاڑ مرگھٹ میں کھڑا ہوا اکیلا ابدی انسان !! یہ موہوم طور پر متوقع ابدیّت اس کے لئے کتنی دلچسپ اور مفید ہوگی یہ کچھ وہی غریب جان سکے گا !

مادہ پرستوں نے یہ بات سوچی ہی نہیں کہ "مجرد ابدیت" آدمی کے کسی کام کی نہیں ! یہ اسی وقت مفید

اور پُر معنی ہوسکتی ہے جب " ابدی انسان " کے لئے زمین کو بھی " سدا بہار جنّت " میں ڈھال دیا جائے ـــــ انسان کے خوابوں کی حسین ترین بہشت ـــ بہشتِ گم شدہ ؟ ـــــ جہاں خیر ہو شر نہیں ــ محبّت ہو نفرت نہیں ۔ انصاف ہو ظلم نہیں ۔ سکون و امن ہو، جنگ کی خونریزیاں نہیں ــ خلوص ہو منافقت نہیں ۔ قانون ہو مگر جرم اور قانون شکنی نہیں ۔ صحت ہو اور بیماری کا دُکھ درد نہیں ــ گویا عمر کا ابدی سلسلہ اس جنّت کے بغیر موجودہ جرم و گناہ کی دنیا میں مستقل دوزخ کی سزا بن جائے گا ! ـــ کبھی نہ ختم ہونے والی سزا ۔ انسان کے لئے اس زمین، آگ خون کے آتش فشاں پر ابدیت کا مسکن بنانے کا مشورہ دینے والوں نے اس بارے میں کیا سوچا اور کیا کرکے دکھایا ہے ؟ ۔

اس نے یہ کرکے دکھایا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندیوں اور ضبط تولید کی قتل گاہیں تعمیر کیں جن کے محل ان معصوم و بیگناہ روحوں کی ہڈیوں اور گوشت سے تعمیر ہوتے ہیں جن کو اس دُنیا کی فضا میں ایک سانس تک لینے کی اجازت نہیں دی گئی ! ـــــ قومی اور بین الاقوامی امن و آشتی کے بلند بانگ نعرے ایجاد کئے، جن کو ایک کے بعد دوسرے خونریز انقلابات اور یکے بعد دیگرے عظیم، عالمی اور کرہ گیر لڑائیوں کے لئے عملاً استعمال کیا جاتا رہا ہے ــ کیا جا رہا ہے ! ــ صفت و پیداوار کے وہ ترقی یافتہ نظام اور آلات ڈھالے جن کو خون آشام استعماریت اور نو آبادی نظام کی تانا شاہی کے لئے کام میں لایا گیا ۔

ـــــ تو کیا یہی ہے وہ " جنّتِ گمشدہ " جس میں اس موہوم ابدی انسان کو جہنّم رسید کیا جانیوالا ہے ؟؟ اِس سوال کے جواب میں صحت مند انسانیت کا ضمیر پھر چیخ اٹھتا ہے " نہیں ــ ہرگز نہیں ؟ ــ مادہ پرستی کا موقف ایک فریب درفریب شئے ہے ۔ اس دنیائے تضاد و کشاکش میں یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان کو ابدی اور دنیا کو جنّت بنانے کا وعدہ ساتھ ساتھ پورا کیا جاسکے ۔ یہاں سے تو اگر موت کو کسی طرح جلا وطن کر بھی دیا جائے تو وہ سارے ہتھیار کُند ہو جائیں گے جو زندگی کے دشمنوں کا خاتمہ کرنیکے لئے درکار ہیں ــ یہ دشمن خواہ بیماریوں کے مہلک جراثیم ہوں خواہ جرم و گناہ اور ظلم و وحشت کے انسانی عِفریت ۔ یہاں جنّت تعمیر نہیں ہوسکتی تو انسان کو ابدی بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ مجرموں کو جرم و گناہ کی کُھلی اور دائمی چھوٹ دیدی جائے ! اس لئے کہ ان کے خلاف انسانیت کا آخری ہتھیار " موت " ہی کُند اور بیکار ہو چکا ہوگا ۔ کیسی بیکسی اور مجبوری ہو کہ

زمین پر جو تھوڑی بہت جنت تعمیر ہو سکتی ہے وہ انسان کی ابدیت سے نہیں انسان کے "امکان فنا" اور خطرۂ مرگ سے ہی تعمیر ہو سکتی ہے! یہاں ابدیت ممکن ہے تو اس کے لئے جنت ناممکن ہو جاتی ہے۔ اور جنت ممکن ہے تو "ابدیتِ انسانی" ناممکن ہی نہیں یکسر نامناسب اور بے جوڑ ہو کر رہ جاتی ہے!! ۔۔۔ گویا یہاں ہر جنت کی تعمیر "انسان" کی بھینٹ چاہتی ہے! ۔ یہاں جینے کی وہی حسین کوشش کامیاب ہو سکتی ہے جس کے لئے کوئی مرجانا جانتا ہو! آدمی کی روح ان حقائق کا عرفان حاصل کرتے ہی پکار اٹھتی ہے:۔

"سچ کہتے ہیں یہ اہلِ مذہب کہ ابدی زندگی کا خواب تو اس دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے مگر اس کی تعمیر کیلئے دوسری دنیا میں مر کر پہونچنا ضروری ہے۔ اس دنیا میں بھی ایک دوزخ کا خطرہ ضرور ہے لیکن حسنِ ایمان و عمل کی فرصت ہمیں یہ بھرپور موقعہ دے رہی ہے کہ بڑھو اور اس خطرے پر چھا جاؤ!۔ یہ دوزخ کا خطرہ مٹایا جا سکتا ہے ابھی اور اگر اس کو مٹا دیا جائے تو پھر کوئی خطرہ اور خوف نہیں ۔ پھر تو ایک "امید" ہے بلا خوف و خطر! ۔۔۔ یہی زندگی کی آخری امید اور واحد راہِ نظر آتی ہے ہمیں!۔"

"جنت و جہنم کے خوابوں پر سر دُھننے والو!" مادہ پرستی طنز کرتی ہے "لیکن اگر یہ حیاتِ نو کی اُمید پوری نہ ہوئی تو پھر خواہ مخواہ ارضی لذتوں کو خود پر حرام کر لینے کی کیا تلافی کر سکو گے؟ ہم آزادانہ لطف کیشی کے رند دیکھو کیسے مزے اڑا رہے ہیں، دنیائے رنگ و بو کے! تم ہو کہ کھڑے مُنہ تک رہے ہو اور آخرت کے خواب دیکھ رہے ہو!۔۔۔۔"

"نہیں!" مذہبی گروہ جواب دیتا ہے۔ "بقاء دوام کی یہ اُمید اتنی محکم ہے کہ ایمان و یقین کے عظیم الفاظ سے یاد کی جاتی ہے"۔۔۔ یہ دھوکا نہیں، ہاں تم دھوکا کھا رہے ہو!"

"ثبوت؟"

"ثبوت میں ہم تمہارے اپنے "وجود" کو پیش کرتے ہیں!۔۔۔ یہ وجود خود زندگی کی نفی سے نکلا ہے تم "نیست" تھے اور "ہست" ہو گئے۔ ہم موت کے اس پار ٹھیک اسی طرح "نیست" کے ایکبار پھر "ہست" ہو جانے کے قائل ہیں۔ جو چیز ایک بار واقع ہو چکی وہ دوبارہ واقع ہو جانا اور بھی آسان ہے!"

"کوئی سائنٹفک دلیل بھی ہے؟" مادہ پرستی جھلا اٹھتی ہے۔

" سائنٹفک دلیل چاہتے ہو تو خود اس بقا کی عظیم انسانی بھوک سے معلوم کرو جو روٹی اور جنس کی بھوک کو گردِ راہ کر دیتی ہے، کوئی بھوک بغیر امکان غذا کے یہاں پیدا نہیں ہو سکتی، کائنات میں کوئی خلا نہیں کوئی شے بے نتیجہ اور بے جوڑ نہیں ۔ یہ کائنات بقول سائنس ہر لحاظ سے "مکمل" ہے ۔ اس لئے یہاں بھوک ہے تو روٹی بھی ہے ۔ جنسی طلب ہے تو عورت بھی ہے ۔ تو کیا ابدیت کی بھوک کے لئے کوئی سچ مچ ابدیت نہ ہوگی ؟ ۔ یہ بھوک ایک طلب ہے تو اس کا مطلوب بھی یقیناً ہوگا ۔ یہ آرزو ایک حقیقت ہے تو اس کی "تکمیل" بھی اس کی کہیں نہ کہیں منتظر بھی ضرور ہوگی ! "

"لیکن" مادہ پرستی چیخ اُٹھتی ہے ۔ " ہمارے فیصلہ کن آلات کی قسم ! ۔ موت کے بعد یہ جسم یکسر فنا ہو جاتا ہے ۔ ہر طرح منتشر اور فنا ہو جاتا ہے ۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو !" مذہبی گروہ روحانی سکون کی مسکراہٹ کیساتھ جواب دیتا ہے ۔ جسم فنا ہو جاتا ہے ۔ بکھر کر رہ جاتا ہے ۔ لیکن زندگی ؟ ۔ اس کی فنا کا دعویٰ کرنے سے پہلے یہ بتانا ہوگا کہ " زندگی " ہے کیا چیز ؟ ۔ تم "زندگی" کا سُراغ نہ لگا سکے تو کس طرح کہہ سکتے ہو کہ وہ بھی جسم کے ساتھ ساتھ فنا ہو گئی ۔ جسم ایک شکل ہے زندگی کی تو ابدیت اس کی دوسری شکل ! ۔ جسم کے ساتھ ساتھ امید اور خوف ہیں مگر ابدیت کے ساتھ صرف اُمید ! ۔ جسکو موت کا خوف نہیں ۔

وحیٔ الٰہی

وحی اور اس سے متعلّقہ مباحث پر محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ کے ایک ایک پہلو پر ایسے دل پذیر و دل کش انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل میں سما جاتا ہے اور حقیقتِ وحی سے متعلق تمام خلشیں صاف ہو جاتی ہیں

اندازِ بیان نہایت صاف اور سلجھا ہوا، تالیف مولانا سعید احمد ایم، اے ۔

کاغذ نہایت اعلیٰ، کتابت نفیس ستاروں کی طرح چمکتی ہوئی، طباعت عمدہ صفحات ۲۰۰

قیمت تین روپے ۔ مجلد چار روپے

ملنے کا پتہ :- مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶